

حضرت مفتی عتیق الرحمن عثمانی

ایک بعض خطوط کی روشنی میں

* مولانا حکیم محمد عرفان الحسینی *

رشید احمد صدیقی لکھتے ہیں: ”موت سے کسی کو مفر نہیں“ لیکن جو لوگ مٹی مقادیر کی تائید و حصول میں تادم آخر کام کرتے رہتے ہیں وہ کتنی ہی طویل عمر کیوں نہ پائیں ان کی وفات قبل از وقت اور تکلیف دہ محسوس ہوتی ہے“ (گنجائے گرانمایہ)

حضرت مفتی عتیق الرحمن رحمۃ اللہ علیہ پر یہ جملہ مکمل طور پر صادق آتا ہے مفتی صاحب نے اپنی زندگی ملک و ملت کی خدمت ہی کے لئے وقف کر دی تھی۔

حضرت مفتی صاحب ایک بڑے باپ حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن عثمانی (جن کے قلم سے ایک لاکھ اٹھارہ ہزار فتوے لکھے گئے) کے بڑے بیٹے تھے، مفتی صاحب کی پیدائش ۱۳۱۹ھ ہجری میں دیوبند میں ہوئی، تاریخی نام ”ظفر الحق“ ہے، ۹ سال کی عمر میں قرآن شریف حفظ کیا، شروع سے اخیر تک دارالعلوم دیوبند میں تعلیم حاصل کی اور ۱۳۴۱ھ ہجری میں فارغ التحصیل ہوئے دو سال وہیں رہے، پھر دارالعلوم اسلامیہ ڈابھیل گجرات چلے گئے وہاں پانچ سال تک افتاء اور تدریس کے فرائض انجام دیئے ۱۹۳۰ء میں باقاعدہ سیاسی زندگی شروع کی اور انڈین نیشنل کانگریس کی تحریک نمک سازی کے زمانہ میں سیاسی دلچسپی کے باعث ڈابھیل چھوڑ دیا اس دور میں ان کے دو اہم فتوے شائع ہوئے جنہوں

نے تاریخ آزادی ہند میں بہت اہمیت حاصل کی ۱۹۳۳ء سے ۱۹۳۷ء تک کلکتہ میں قیام کر رہے اور مفتاحہ کا مشغلہ تھا دوران قیام کلکتہ حضرت مولانا ابوالکلام آزاد علیہ الرحمۃ سے بہت قربت ہو گئی تھی جو اخیر تک قائم رہی، ۱۹۳۸ء میں دہلی تشریف لے گئے اور ایک علمی ادارہ "ذو الاصفین" کے نام سے قائم کیا اسی زمانے میں دو کتابیں علامہ ابن تیمیہ کی "الکلم الطیب" کا ترجمہ تشریحی نوٹ کے ساتھ اور علامہ ابن جوزی کے "در صید الخاطر" کا ترجمہ کیا ایک سنجیدہ باوقار علمی پروجیکٹ "برہان" کے نام سے جاری کیا ایڈیٹر خود رہے پھر کثرت مشاغل کی بنا پر مولانا سعید احمد صاحب اکبر آبادی کو ایڈیٹر بنا دیا مولانا اکبر آبادی کی ادارت کے زمانے میں بھی بارہا کے "نظرات" مفتی صاحب کے رشحات قلم کے رہیں منت رہے۔ حضرت مفتی صاحب نے غیر ممالک کے بھی کافی دورے کئے بعض جگہوں پر اپنے ملک ہندوستان کی نمائندگی کی اور بعض ممالک کا دورہ ذاتی دعوت پر کیا، رابطہ عالم اسلامی میں شرکت انٹرنیشنل کانسفر اور روس و پاکستان بغداد کے دورے خصوصیت کے حامل ہیں

ہندوستان کے اکثر و بیشتر علمی سماجی، ثقافتی، مذہبی اداروں سے منسلک رہے، دارالعلوم دیوبند، ندوۃ العلماء، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، جامعہ ملیہ دہلی سے توجہ و جہم کا ساتھ ملتا تھا، انجمن ترقی اردو، جامعہ اردو علی گڑھ، غالب اکاڈمی، دہلی سے بھی متعلق رہے کلکتہ کی ایران سوسائٹی کے ممبر رہے مسلم لیگ کو بھی اختیار نہیں کیا بلکہ سب سے بڑی آزمائش یہ تھی کہ ان کے حقیقی چچا حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی جو مسلم لیگ کے بانی و رہنما تھے ان سے سیاسی ناپسندیدگی مولیٰ جس کا حضرت مفتی صاحب کو بہت احساس تھا اس کے باوجود زیر لاپلاہ کو قند نہیں کہہ سکے۔ ہمیشہ کانگریس میں رہے اور ملک کی دوسری سیاسی جماعتوں کے مقابلے میں کانگریس کے نظریات کو مسلمانوں کے لئے مفید سمجھتے رہے، جمیعتہ علماء ہند میں عمر کا بیشتر حصہ صرف کیا اور اخیر میں مسلم مجلس مشاورت میں شریک ہوئے مسلم پرسنل لا بورڈ کی تاسیس میں پیش پیش تھے اسکے صدر بھی رہے۔

حسن تدبیر، خودداری، آزادی ضمیر، حریت نفس، معاملہ فہمی، نکتہ رسی، اور فقہی دقیقہ سنجی ان کے مخصوص اوصاف تھے، نگارش میں مفتی صاحب ایک خاص طرز کے موجد ہیں، شگفتگی اور برتری سادگی و چاشنی اسکی بنیاد ہیں، جیسے جیسے جملے جس میں تلخی و شیریں کا مناسب امتزاج تو ہو جاتا مگر تملہاٹ سے مخاطب بجا رہتا ہے، مفتی صاحب کی تحریروں میں محبت آمیز طنز میں جو چاشنی ہوتی اس لذت سے آشنائی شاید ہی کسی دوسرے صاحب قلم کے یہاں ہو، مفتی صاحب کے بے شمار خطوط اس پر شاہد ہیں۔

ریڈیو پر تقریروں کا ایک مجموعہ جو لکھ کر پڑھی گئیں ”منارِ صدا“ کے نام سے ڈاکٹر عبدالجشتی ریڈر جامعہ ملیہ دہلی نے مرتب کر کے شائع کیا ہے، تحریر ہی کی طرح تقریر پر بھی مفتی صاحب کو ملکہ حاصل تھا، لمبے لمبے موضوعات پر بڑی دلکش بصیرت آفریز اور فیصلہ کن اور دلوں میں گھر کر لینے والی انکی سیاسی، سماجی اور مذہبی تقریریں آج بھی لوگوں کے کالوں میں رس گھول رہی ہیں اور جنھیں سن کر بہت سے لوگوں کی زندگی میں انقلاب آگئے۔

حضرت مفتی صاحب نے حیات مستعار کے دن دیوبند سے باہر، گجرات، بنگال اور دہلی میں گزارے، تینوں جگہوں سے انھیں قلبی السیت تھی کلکتہ تو ہر سال مفتی صاحب کی آمد ہوتی اور پندرہ دن کے لگ بھگ ضرور قیام فرماتے اور ان پندرہ دنوں میں اپنے کو ایسا محسوس کراتے کہ ”بسنے والے تو کلکتہ ہی کے ہیں“ چند دنوں رہنے کے لئے باہر چلے گئے تھے، کلکتہ والے بھی انھیں ٹوٹ کر چاہتے تھے، مہینوں پہلے سے ان کا انتظار اور تذکرہ شروع ہو جاتا جب آتے تو لوگ حاضر خدمت ہو کر نیاز حاصل کرتے ہی مگر حضرت مفتی صاحب بھی بعض مواقع پر مجبوری اور اخیر میں پیرائے سالی کے باوجود بھی اسکی کوشش کرتے کہ خود بھی تشریف لے جا کر ملیں۔

لحاظِ دہریت کا تو گویا ”پیکر“ تھے بعض شفقتیں خود آگے بڑھ کر فرما دیا کرتے دارالعلوم دیوبند کے صد سالہ کے موقع پر خندید بیمار تھے ایک لمحہ کیلئے بھی جلگاہ نہ جاسکے، خاموش گرم جسم پلنگ پر پڑے ہوئے تھے، دن بھر کچھ بھی نہیں کھایا، بھوکے پڑے رہے جب ہم لوگ کمرے

میں واپس آئے تو اپنے نہ کھانے اور بھوکے رہنے کا اشارہ تک نہیں کیا، کسی طرح رات کو بہت چلا تو حضرت مفتی صاحب کو یہ احساس کہ ”میری خاموشی کی وجہ سے یہ سارے بچے شرمندگی میں پڑے ہیں“

میں جب اپنی پگڑی جو مجھے ملتی تھی لے کر قیام گاہ پر آیا تو آواز دی، بلایا اور پگڑی ہاتھ میں لیکر دیکھی اور میرا سر اپنی طرف کر کے اپنے ہاتھوں سے علامہ باندھ دیا اور فرمایا ”تھوڑی دیر ایسے ہی باندھے رہو دیکھنے کو جی چاہتا ہے۔“

میرے والد محترم الحاج حضرت مولانا حکیم محمد زماں صاحب حسینی حضرت مفتی صاحب کے پاس سالہ نیاز مند ہیں حضرت مفتی صاحب نے ۱۹۸۲ء تک اپنے دست مبارک سے ان کے نام بے شمار خطوط جن میں گھریلو معاملات، ملکی حالات، مذہب و سیاست کی باتیں انھوں نے ایک خاص انداز میں سپرد تحریر فرمائی ہیں۔ اس مضمون میں ان کے چند خطوط کے اقتباسات درج ہیں مفتی صاحب مرحوم کی زندگی کے چند گوشے بھی اجاگر ہوتے ہیں۔

مرحوم مفتی صاحب افراد و اشخاص کے بارے میں اپنی نپی تلی جنمی رائے رکھتے تھے اس کا اظہار زبان اور تحریر سے بھی کرتے تھے ذیل میں چند وہ نگارشات ہیں، جن میں انھوں نے بعض لوگوں سے اظہار تعلق کیا ہے۔ کلکتہ کے مشہور تاجر شیخ فیروز الدین مرحوم کے بارے میں انکی وفات پر ایک خط میں تحریر کیا ہے:

”کیا لکھوں، دل پر کیا گزری؟ دل بے قرار ہو گیا آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہو گئے“
مرحوم کو مجھ سے جو غیر معمولی علاوہ تھا آپس سے بخوبی واقف ہیں یہ تعلق کم و بیش چالیس سال سے تھا، اور لیلِ بہار کی کوئی گردش اس کو مضحک نہیں کر سکی، فیروز صاحب اس دنیا میں نہیں لیکن ان کے کمالات اور غیر معمولی خصوصیات ہمیشہ یاد رہیں گے، کیسے باوضع شریف کشادہ دست و خندہ جبیں بزرگ تھے کسچ تو یہ ہے کہ اپنی مثال آپ تھے“

ان کے چھوٹے بھائی خاں بہادر شیخ محمد جان مرحوم کی وفات پر ایک خط میں لکھتے ہیں:

”مرحوم سے میرے تعلقات کی مدت نصف صدی کے قریب ہے اس طویل مدت میں بڑے بڑے نشیب و فراز رہے مگر ہمارے تعلقات مبادیہ روی کے انداز سے قائم رہے بہت لحاظ کرتے تھے سیاسی اور مذہبی دونوں اعتبار سے راسخ العقیدہ تھے، ان کے اٹھ جانے سے ایک دور کا خاتمہ ہو گیا، کلکتہ ہی کے ایک اور صاحب نام جرنیل شیخ محمد یعقوب صاحب کی وفات پر لکھتے ہیں: ”مرحوم غیر معمولی خصوصیات کے امین تھے، تجربہ کار، انہیں کام کرنے والے“

راقم الحروف کے دادا حضرت مولانا حکیم وزیر علی علیہ الرحمۃ جو صاحب رشد و ہدایت بزرگ حاذق طبیب تھے انکی وفات پر تحریر فرماتے ہیں: ”مرحوم نے بارہا ملاقاتیں ہوئی ہیں ان کی بزرگی اور سادگی کا نقشہ آنکھوں میں گھوم رہا ہے“

انہی دنوں میرے خاندان میں یکے بعد دیگرے موت کے کئی حادثے ہوئے اس پر یوں تسلی کے کلمات تحریر فرمائے ”آپ کی آشفستگی اور پریشانی کا قدرتی طور پر ہم لوگوں پر بھی اثر ہے اللہ تعالیٰ اطمینان میسر فرمائے گردش لیل و نہار سے تو مفر نہیں تاہم یقین ہے کہ یہ پریشانی عارضی ثابت ہونگی اور آپ جیسا غلصہ زیادہ پاکمال نہیں ہو گا اپنا تجربہ تو یہی ہے کہ ناگوار یوں اور تلخیوں کی تیز و تند ہواؤں اور گھٹا گھوپ اندھیروں کے بعد نسیم سحر کے نرم و سبک گام جھونکے بھی ضرور آتے ہیں بشارت ہے ان کے لئے جو دونوں حالتوں پر دامن صبر و شکر تھا مے رہتے ہیں، میرے سسر ممتاز عالم دین خادم قرآن، حافظ مولانا محفوظ الرحمن صاحب نامی کی وفات پر تحریر فرماتے ہیں ”مرحوم کی خوبیاں رہ، رہ کر یاد آتی ہیں، عالم باعمل اور دھن کے پتے اور سچے مسلمان تھے، حق و صداقت اور آزادی ضمیر کی راہ میں بڑی بڑی تکلیفیں اٹھائیں دین رسا، اور تعمیر پایا تھا، قلب جذبات اسلامی سے معمور تھا اپنے رنگ کے ایک ہی شخص تھے، خواجہ محمد یوسف صاحب (جواب کلکتہ ہائی کورٹ کے جج ہو چکے ہیں) جب بڑی، آئی آر میں ۱۹۶۵ء میں گرفتار ہوئے تو راقم الحروف کے نام ایک خط میں حضرت مفتی صاحب ارقام فرمایا ہیں، خواجہ صاحب کو کارڈ لکھ دیا ہے تعلق خاص رکھتے ہیں شاہ وصی الدین احمد صاحب کی

وساطت سے گذشتہ سال انھوں نے خاصے اہتمام سے چانچر بھی بلایا تھا شاید تم بھی ساتھ تھے خواجہ صاحب سے میرا سلام کہئے بڑی خوبیوں کے شخص ہیں، ایسے حضرات کو جیل کا تجربہ ہو اس سے قوم میں زندگی آتی ہے مگر حکومت کی بے سمجھی پر افسوس ہوتا ہے ایک سیکولر جمہوری نظام میں ایسے اقدامات افسوسناک ہوتے ہیں بہر حال حالات کا مقابلہ کرنا ہے۔“

آزاد ہند اخبار کے ایڈیٹر جناب الحاج احمد سعید صاحب ملیح آبادی سے گھریلو تعلقات اور خاندانی روابط تھے اکثر و بیشتر خطوط میں ان کا ذکر اور سلام موجود ہے ان کے بارے میں لکھتے ہیں: احمد سعید صاحب نے دلچسپ مضمون بنالیا خوب سلیقہ رکھتے ہیں ان سے سلام کہئے مالک دوسرے خط میں ہے احمد سعید صاحب سے آپ کی خیریت مجھلا معلوم ہوئی تھی، اس دفعہ یہاں (دہلی) ان سے ملاقات نہ ہونے کے برابر رہی وہ ٹھہرے بھی کم، ان کے پاس جانے کا ارادہ تھا مگر کاموں کے ہجوم میں موقع نہیں ملا۔ کسی روز آئیں تو سلام فرما دیجئے اور ملاقات کے اختصار پر اظہار افسوس حضرت مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی مرحوم جب دہلی چھوڑ کر کلکتہ آ گئے تو ان کی جدائی پر اظہار رنج و غم کرتے ہوئے مفتی صاحب تحریر فرماتے ہیں: ملیح آبادی صاحب سے ملاقات ہوتی ہوگی بہت یاد آتے ہیں احمد سعید صاحب کی معرفت ان سے سلام کہلایئے۔“

جمیعتہ العلماء ہند کا سالانہ اجلاس الر آباد میں ہوا جس میں خطبہ حضرت مفتی صاحب مرحوم نے دیا، اس کا تذکرہ کس قدر سادگی اور بے تکلفی سے کرتے ہیں لکھتے ہیں: الر آباد کا اجلاس بڑا ہی شاندار رہا خطبہ عام طور پر توقع سے زیادہ پسند کیا گیا اور پڑھنا اس سے زیادہ بہ منتظمین نے ایک ”عبا“ بھی دی آپ سے پوری بے تکلفی ہے اس لئے لکھ رہا ہوں جمیعتہ علماء کے سالانہ اجلاس میں ہمارے قومی چیتوں اور شیروں نے اپنی بے ہنگام گرج کے جو جو ہر دکھا اس کے احساس سے اب بھی تکلیف ہوتی ہے ”اچھا ہوتا“ ”مجاہد ملت“ اس طرح کی تجویزوں کو ہم جیسے ٹھنڈے دماغ لوگوں کے حوالہ کر دیتے لیکن شاید اس گھر کی رونق ہنگامے پر ہی موقوف ہے۔

مجاہد ملت حضرت مولانا حفظ الرحمن رحمۃ اللہ کے انتقال کے بعد جمعیتہ العلماء ہند میں انتشار پیدا ہوا حضرت مفتی صاحب اسکی زد میں آئے جو انکی افتاد طبع کے خلافت تھا، مختلف خطوں میں پرشانی اور بیزاری کا اظہار یوں کیا ہے: جمعیتہ کی صدارت کا مسئلہ بیٹھے بٹھائے میرے گلے کا بار بن گیا شدید روحانی افزیت محسوس کر رہا ہوں۔ مولوی سعید نے تو لکھا ہے ”سرے سے جمعیتہ ہی چھوڑ دو اور نام واپس لے لو“ واقعہ یہ ہے کہ اگر مجھے اطمینان ہو جائے کہ نام واپس لینے سے انتشار دور ہو جائے گا تو ایک منٹ کی دیر نہیں لگاؤں گا، ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں: صدارت کے مسئلہ نے کیسی عجیب صورت حال اختیار کی ہے اور آدمی بھی کس طرح مصیبت میں پھنسا ہے، تینتالیس سال جمعیتہ سے وابستگی کو ہو گئے ہیں اس پوری مدت میں کبھی بھی کسی منصب اور عہدے کا قلب میں ”فطور“ تک نہیں ہوا، حالات کے موڑ سے اثر پذیر ہو کر کسی صوبے نے میرے علم و اطلاع کے بغیر از خود نام پیش کر دیا بس کیا تھا قیامت برپا ہو گئی، ایک اور خط میں تحریر فرماتے ہیں: میں کوئی بات دل میں نہیں رکھتا کیونکہ ”خاک میں عشاق کے غبار نہیں ہے“ جمعیتہ علماء سے میرا تعلق عہدے کا نہیں خدمات کا ہے اور عمر کا بڑا حصہ اسی چھانی ہوئی خاک کو سر پر ڈالنے میں گذرا ہے، اسی سلسلہ میں ایک دوسرے خط میں رقمطراز ہیں: مجھ پر جمعیتہ کی موجودہ گروہ بندی کا حد درجہ ناگوار اثر ہے اس لئے مزاج میں قدرے تلخی آگئی ہے۔

کیوں گردشِ مدام سے گھبرا نہ جائے دل

انسان ہو یا آلہ وسا غر نہیں ہوں میں

بالداروں کی در یوزہ گری سے حضرت مفتی صاحب کو شدید نفرت تھی اس سے بچنے کے کوشش کرتے تھے، خصوصیت سے تو اپنی ذات کے لئے اس کو عاری ہی سمجھا، تحریر فرماتے ہیں: بڑی مشکل یہ ہے کہ روپیہ کی قیمت گرتی جا رہی ہے اور ضروریات ہیں کہ بڑھتی جا رہی ہیں لیکن طوفان کی انہی موجوں سے گزر کر اپنا راستہ بنانا ہے اللہ تعالیٰ کا راسخ مطلق ہے بلاشبہ وہ ہماری اور ہمارے حالات کی اور ہماری ضرورتوں کی نگرانی فرماتے ہیں، دعا ہے اپنے بچوں کی دیکھ بھال

حسب منشا کر سکیں اور ارباب ثروت کے چہرے کے شکفوں سے بے نیاز ہو جائیں، اسی سلسلہ میں ایک اور خط میں تحریر فرماتے ہیں: آزاد معاش قدرت کا نہایت ہی گراں قدر عطیہ ہے اور اس ”جام سفال“ کے مقابلے میں ”جام جم“ کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ ”ندوة المصنفین کے بارے میں حضرت مفتی صاحب کی خواہش رہی کہ ارباب کلکتہ نے ہی بیچ ڈلوایا تھا اب وہی ہے شجر باردار بنائیں اس سلسلہ میں ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں: کلکتہ بڑی جگہ ہے اور جہاں تک ”ندوة المصنفین“ جیسے ادارے کے حلقوں کا تعلق ہے بہت سے غیر تاجر حضرات بھی اس میں شریک ہو سکتے ہیں اس کام میں سالک صاحب بھی خامی امداد کر سکتے ہیں۔

بے جستجو ملے گا نہ اے دل سراغ دوست

تو کچھ تو فصد کر، تیری ہمت کو کیا ہوا

ایک خط میں مختلف پریشانیوں سے بھرپور حالات لکھتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں: ان حالات میں غور فرمائیے ادارے کی گاڑی کو کھینچنا کوئی سہل کام ہے؟ حالات کی ناسادگاریاں شباب پر ہیں تاہم اپنی بساط کے مطابق اس مفید اور اہم تعمیری خدمت کے سروں کو تھامے ہوئے ہوں، سچ تو یہ ہے کہ باہر حرم کے کبوتر مرغ رشتہ بریاں کے تڑپنے کا اندازہ کر ہی نہیں سکتے ”ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں: حکیم صاحب محترم! واقعہ یہ ہے کہ آپ کے اس ادارہ کی مثال نہ ہندوستان میں ہے اور نہ پاکستان میں جب کبھی اس کے علمی کارناموں کی تاریخ لکھی جائے گی تب لوگوں کو اندازہ ہوگا کہ ایک معمولی انسان نے ملت کھیلنے کیا کیا کیا؟ لیکن یہ سب باتیں اس وقت سامنے آئیں گی جب دنیا میں میں نہیں رہوں گا۔ حضرت مفتی صاحب نے دنیا کے بیشتر حصوں کا سفر کیا ہے جہاں بھی گئے وہاں اس ملک کا تاریخی، سیاسی، اقتصادی اور معاشرتی جائزہ لیا اور مطالعہ کیا والد صاحب محترم کے نام بعض خطوط میں اس طرح کی بھی تحریریں ہیں، سفروں سے واپسی پر ایک خط میں رقمطراز ہیں: یہ واقعہ ہے کہ رشید گورنمنٹ نے معاشی اور اقتصادی مسائل کو جس انداز سے حل کیا ہے اس کے نتیجے میں بے روزگاری کے مصائب تقریباً ختم ہو گئے ہیں روزگار کام کر سواؤں

کو آواز دیتا ہے، کسی چیز میں ملاوٹ کا نام نہیں ہے ضروریات زندگی کے حصول میں کوئی دشواری نہیں ہے جبر و قہر کا دور گزر چکا ہے سب لوگ اپنے کام میں لگے ہوئے ہیں مذہبی حالت بھی پہلے سے بہتر معلوم ہوتی ہے ملک کی ترقی میں سب ہی شریک ہیں مذہب و طریقے کی بنیاد پر کسی کے ساتھ کوئی امتیاز نہیں ہے اب علماء کی ذمہ داری یہ ہے کہ مذہب کی روحانی قدروں کو دل پذیر قالب میں بیان کریں، سعی و جہد کے فضائل و برکات ظاہر کریں اور یہ کہ مذہب معاشی اور اقتصادی ترقیات کے لئے کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔ ”لینس للاحسان الاما معی“ قرآن پاک کا دائمی اصول ہے اسلام کو بے عملی اور جمود سے سیر ہے مگر ہمارے یہاں تو مذہب کی پیروی کا کچھ اور ہی مطلب ہے اس کے بعد ہندوستانی مذہبی ذہن کی عکاسی کرتے ہوئے حضرت مفتی صاحب لکھتے ہیں: بے فکر تو اس وقت صرف خانقاہیں ہیں اور تعویذ گنڈے کے مرکز ہیں بے پناہ آمدنی اور بڑا خرچ — عقل حیران ہے کہ یہ کیا ہو رہا ہے کمال یہ ہے کہ دینے والے لاکھوں روپے دے رہے ہیں اور اسی کو سب سے بڑا کار خیر سمجھتے ہیں مقصد کسی پر اعتراض نہیں، سوال یہ ہے کہ کیا مسلم قوم اسی کام کے لئے رہ گئی ہے؟ میری رائے میں تو یہ لچھن پینے کے نہیں ہیں، مجھے تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ قوم کی در ماندگی اور پس ماندگی کی نشانی ہے۔

حضرت مفتی صاحب کے مذکورہ بالا چند خطوط کے اقتباس سے مفتی صاحب کے ایک خاص گوشہ فکر اور حالات زندگی سامنے آتے ہیں نیز حضرت مفتی صاحب نے والد محترم سے کس قدر سادہ اور بے تکلف گیرانی اور گہرائی سے تھوپر و تعلق عرصہ دراز تک رکھا اور نبھایا ہے اس کا اندازہ لگانے کے لئے بھی مذکورہ بالا اقتباسات کافی ہیں۔۔۔